© rasailojaraid.com

حدیث ابو بکرہؓ کی اسنادی حیثیت

پروفیسر قاضی مقبول احمد

"لن یفلح قوم ..... الخ"

تحقیق کی بنیاد اگر اخلاص پر ہو' اس کی غرض و غایت کسی نفسانی خواہش کی تکمیل یا کسی فکری و ذہنی میلان کا تحفظ نہ ہو بلکہ محض حق کی جستجو اور تلاش ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے' تائید ایزدی شامل ہوتی ہے اور تحقیق کرنے والے کو عموماً" حق مل ہی جاتا ہے۔ لیکن تحقیق کی بنیاد اگر پہلے سے ذہن میں طے شدہ مسئلہ کا بہرصورت اثبات کرنا ہو تو پھر خواہ انسان کتنی تحقیق کرے وہ ہر لحہ اور ہر قدم مزید سے مزید تر گمراہی کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی بصیرت اس کی فراست اور اس کی تحقیقی کاوش بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور ایسے شخص کو کبھی حق اور سچائی تک رسائی نہیں ہوتی۔ **ومن یضلل اللہ فمالہ من ھاد**

ایسے ہی بعض محققین نے آجکل حدیث ابی بکرہؓ کو تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ عورت کی حکمرانی کے خلاف پیش کی جانے والی اس حدیث کے کئی جوابات اگرچہ ممکن ہیں اس کی تاویل کی جا سکتی ہے اور احادیث کی تاویل کر کے ان سے گلو خلاصی کرنا' اکثر فقہاء' عموماً" فقہاء احناف کا محبوب طریقہ رہا ہے۔ اس پر خبرواحد کی تہمت لگا کر بھی جان چھڑائی جا سکتی ہے جیسا کہ معتزلہ' دیگر متکلمین اسلام اور فقہاء احناف کا وطیرہ رہا ہے۔ مگر ان سب باتوں سے ہٹ کر ہمارے ان محققین کا یہ بھی اصرار ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ من گھڑت ہے اور اسے سیاسی وجوہ کی بناء پر حضرت عائشہؓ صدیقہ کو بدنام کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس انتہا پسندانہ دعوئ کے باوجود لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہ نام نہاد محققین اور دانشور آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ اس حدیث کی سند میں جو پانچ راوی ہیں' امام بخاری' عثمان' عوف' حسن بصری اور حضرت ابو بکرہؓ ان میں سے کس نے یہ روایت وضع کی ہے؟ کیونکہ اصول حدیث کی رو سے یہ ضروری ہے کہ جس حدیث کو موضوع قرار دیا جائے اس میں اس مخصوص راوی کی نشاندھی کی جائے جس نے وہ حدیث وضع کی ہوتی ہے۔ محض امکانات و خدشات یا محض جذبات جن کی کوئی حقیقت نہ ہو' کی بنیاد پر کسی حدیث کو موضوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح یہ حضرات یہ بتانے سے بھی قاصر رہے ہیں کہ اس حدیث کو علماء سلف یعنی فقہاء و محدثین میں سے کسی نے موضوع قرار دیا ہے۔ یہ دو بنیادی سوال ہیں مگر ان کا جواب ان محققین میں سے آج تک کسی نے نہیں دیا۔ اور نہ بفضل حق تعالیٰ قیامت تک ان کا جواب دے سکتے ہیں۔ پھر ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات کی علمی بے بضاعتی کا یہ عالم ہے کہ وہ بیک وقت اس حدیث کو موضوع بھی قرار دیتے ہیں اور ضعیف بھی۔ حالانکہ علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ضعیف اور موضوع دو متضاد اقسام ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ حدیث موضوع بھی ہو اسے ضعیف بھی قرار دیا جائے۔

حضرت ابو بکرۃؓ کی حدیث صحیح بخاری میں دو مقامات پر مذکور ہے۔ اگر اس کو موضوع یا ضعیف حدیث تصور کر لیا جائے تو اس سے امام بخاریؒ کی جہاں علمی اہلیت و قابلیت پر حرف آتا ہے وہاں بخاری کی صحت بھی مشکوک قرار پاتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ میں امام بخاری جیسا بلند پایہ علل الحدیث کا ماہر آج تک دست نگر رہے ہیں۔ اپنی اغلاط کی اصلاح ان سے لیتے رہے ہیں اور جب کوئی مشکل مقام آیا تو سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ استاذ عبداللہ بن یوسف کی درخواست پر آپ نے ان کی کتب پر نظر ثانی فرمائی اور اغلاط کی تصحیح فرمائی۔ استاذ سلیمان بن حرب کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو ان کی درخواست پر امام شعبہ کی اغلاط کی تصحیح فرماتے۔ ابھی عہد طالب علمی تھا۔ عمر صرف گیارہ برس تھی کہ استاذ فریابی نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ جس میں تین راویوں کی صرف کنیت مذکور تھی۔ ابوعروۃ' ابو الخطاب اور ابو حمزہ۔ کسی کو علم نہ تھا کہ ان کے نام کیا ہیں اور یہ کون ہیں۔ جب سب نے لاعلمی اور عجز کا اظہار کیا تو امام بخاری نے فرمایا۔ ابوعروۃ سے مراد معمر بن راشد ابو الخطاب سے مراد قتادۃ اور ابو حمزہ سے مراد حضرت انس بن مالک ہیں۔ ایک مرتبہ استاذ داخلی کے حلقہ درس میں حاضر تھے۔ آپ نے ایک حدیث کی سند یوں بیان فرمائی۔ **عن ابی الزبیر عن ابراہیم.....**

امام بخاریؒ فوراً بولے ابو الزبیر نے ابراہیم سے روایت بیان نہیں کی۔ استاذ داخلی نے ڈانٹا۔ آپ نے بھی اصرار فرمایا اور کہا دراصل یہ ابو الزبیر نہیں بلکہ زبیر راوی ہے جس نے ابراہیم سے روایت کی ہے آخر کار استاذ داخلی کو سرتسلیم خم کرنا پڑا اور فرمایا آپ صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح امام اسحاق بن راہویہ نے برسرعام ایک حدیث بیان کی۔ امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث نہیں ہے۔ امام موصوف نے آپ کی بات تسلیم کی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے محدثین کی جماعت! اس نوجوان سے حدیث حاصل کرو۔ اگر یہ حسن بصری کے زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی حدیث اور فقہ میں اس کے دست نگر ہوتے"

امام اسحاق بن راہویہ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی جس میں عطاء کنجرانی تابعی کا ذکر تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا یہ کنجارانی کیا چیز ہے۔ آپ نے امام بخاری سے پوچھا تو آپ نے بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کنجران یمن میں ایک مقام ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک صحابی کو وہاں بھیجا تھا۔ عطاء نے وہاں اس صحابیؓ سے دو حدیثیں سنیں۔ اس پر امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا۔ تم تو ایسے بیان کر رہے ہو جیسے وہاں موقع پر موجود تھے۔ گویا امام موصوف کی طرف سے امام بخاری کو یہ خراج تحسین تھا کہ ان کی معلومات بڑی وسیع ہیں۔ امام ترمذی نے آپ کو علل الحدیث کا سب سے بڑا عالم قرار دیا ہے اور جب ایک حدیث کی سند کی بابت امام بخاری نے امام مسلم کو چند باتیں بتائیں تو امام مسلم بے اختیار پکار اٹھے۔

اے استاذ الاساتذہ ! مجھے اجازت دیں آپ کے ہاتھ چوم لوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی مثل کوئی محدث موجود نہیں۔

حضرت امام بخاریؒ کو بھی اپنی اس علمی حیثیت کا بخوبی احساس تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے اس کی بہ نسبت میرے اساتذہ نے مجھ سے زیادہ حاصل کیا ہے' حضرت امام بخاریؒ کا یہ خیال بہت حد تک درست ہے۔ ان جیسا محدث' فقیہ اور اسماء الرجال کا بحر بے کراں اس سے قبل پیدا نہ ہوا تھا آپ نے ھبہ کے مسائل پر کتاب لکھی جس میں پانچ صد احادیث بیان کیں جبکہ ان سے قبل امام وکیع نے جو کتاب لکھی اس میں صرف دو یا تین مسند احادیث تھیں اور عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام کی کتاب الھبہ میں صرف پانچ کے قریب احادیث تھیں۔

امام موصوف خود فرماتے ہیں کہ میں چاہوں تو صرف نماز کے مسائل پر ایک ہی مجلس میں دس ہزار احادیث بیان کر دوں۔ آپ فرماتے ہیں ایک دن میں نے یوں ہی حضرت انس بن مالک صحابیؓ کے تلامذہ کے بارہ میں غور کیا تو فی الفور میرے ذہن میں تین سو نام گھوم گئے۔ اس زمانہ میں آپ نے اسماء الرجال پر چار کتب لکھیں۔ تاریخ کبیر' تاریخ صغیر اور تاریخ اوسط ان تینوں کتب میں چالیس ہزار سے زائد راویان حدیث کے اسماء و احوال بیان کئے۔ چوتھی کتاب الضعفاء لکھی جس میں سات صد کے قریب ضعیف راویوں کے احوال بیان کئے اس بناء پر ہی ابن حجر نے آپ کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ مصر کے سو فقہاء و محدثین کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ محمد بن اسمٰعیل البخاری کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں محمد بن اسمٰعیل اپنے زمانہ میں وہی مقام رکھتے ہیں جو صحابہ میں عمرؓ کا تھا امام الائمہ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ فرماتے ہیں اس آسمان تلے محمد بن اسمٰعیل سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری سے بڑا محدث علل الحدیث کا ماہر اور اسماء الرجال کا عالم کوئی نہ تھا اس لئے بغیر کسی معقول دلیل کے یہ کیسے مان لیا جائے کہ آپ نے لاعلمی یا بے خبری میں اس موضوع روایت کو بخاری میں درج کر دیا اور یہ راز امام بخاری پر کھلا اور نہ بعد میں صدیوں تک کسی محدث پر منکشف ہوا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جس کا اظہار آجکل کے بعض نام نہاد محققین اور دانشور فرما رہے ہیں۔

امام بخاریؒ کی جس طرح بطور محدث حیثیت غیر متنازعہ ہے اس طرح آپ کی کتاب صحیح بخاری کی حیثیت بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس کی تمام مسند احادیث درجہ صحت کو پہنچتی ہیں۔ امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بخاری میں صرف صحیح احادیث کا بطور استدلال ذکر کیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ تاریخ تدوین حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ہی کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنی کتاب کا نام الصحیح رکھا ورنہ اس سے قبل کسی محدث نے اپنی کتاب کے ساتھ یہ لفظ نہ لگایا تھا۔ پھر جس اہتمام اور خصوصی توجہ سے آپ نے یہ کتاب لکھی اس میں بھی آپ کا کوئی ہم سر اور ہم پلہ نہیں۔ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں ہر حدیث درج کرنے سے پہلے استخارہ کیا۔ دو رکعت نفل ادا کئے۔ اور میں نے صرف اس حدیث کو درج کیا جس کی صحت کا مجھے یقین تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک حضرت ابو بکرؓ کی یہ حدیث یقیناً صحیح ہے۔ اس کی سند اور اس کے متن میں یہ کوئی ایسی علت اور ضعف نہیں جس کی وجہ سے اس کو موضوع تو کجا ضعیف بھی کہا جا سکے۔ جہاں تک اس حدیث کے راویوں پر اعتراضات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث سے قبل بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو (ماسوائے انبیاءؑ کے) ہر خطا اور ہر لغزش سے پاک ہو۔ معصوم ہو اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو اور یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں اس بات کا مکلف اور پابند نہیں بنایا کہ ہم صرف اس شخص کی روایت یا شہادت کو قبول کریں جو ہر خطا سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو دین اور دنیا کا کوئی کام ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چل سکتا۔ جس طرح ہر شخص کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی اس طرح ہر شخص کی روایت مسترد بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کسی راوی پر علماء جرح و تعدیل کا سو فیصد متفق ہو جانا کہ وہ ثقہ ہے اور اس میں ذرہ بھر غلطی اور خطا نہیں پائی جاتی اور یہ کہ وہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے پاک ہے ایک ناممکن امر ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے راویوں پر اگر کسی نے کوئی جرح کی ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جرح غیر معتبر ہے۔ کیونکہ جب امام بخاری نے اس کو مسترد کر دیا ہے تو یقیناً ان کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ اس حدیث کی سند پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ عمومی اعتراضات دور خاص راوی پر اعتراضات جہاں تک عمومی اعتراضات کا تعلق ہے تو ان میں سے صرف ایک قابل ذکر اعتراض ایسا ہے جو ائمہ سلف میں سے کسی ایک محدث نے لگایا ہے۔ باقی اعتراضات موجودہ دور کے دانشور طبقہ کے ہیں جو ہر قیمت پر اس حدیث کو موضوع قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

پہلا اعتراض: صحیح حدیث کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو۔ اب اس بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے کہ اتصال سند کے لئے کیا صرف اتنا ہی کافی ہے کہ روایت بیان کرنے والا اور جس سے وہ روایت بیان کرتا ہے دونوں ہم عصر ہوں۔ اگرچہ ان کی ملاقات ثابت نہ ہو یا یہ ضروری ہے کہ ان کی باہمی ملاقات بھی ثابت ہو۔ امام مسلم پہلی رائے کے قائل ہیں۔ جبکہ امام محمد بن اسمٰعیل البخاری کی یہ شرط ہے کہ وہ بخاری میں صرف اس روایت کو بیان کریں گے جس میں دونوں راویان حدیث کی باہم ملاقات بھی ثابت ہو گی۔ امام بخاری کی اس شرط کے تحت امام ابو الحسن دار قطنی نے حضرت ابو بکرہ کی اس روایت پر اعتراض کیا ہے۔ امام دار قطنی کا اعتراض یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ۔ جیسا کہ عموماً" سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ حسن بصری اور حضرت ابو بکرہؓ دونوں ہم عصر ہیں ۔لہٰذا امام مسلم وغیرہ کی شرط کے مطابق بھی یہ حدیث صحیح ہے۔ امام دار قطنی کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری میں احادیث کی تخریج کے لئے جو یہ شرط لگائی ہے کہ راوی اور مروی عنہ کی باہم ملاقات ثابت ہونا ضروری ہے تو بقول ان کے یہ حدیث بخاری کی اس شرط پر پوری نہیں اترتی لہٰذا اس کی بخاری میں تخریج درست نہیں۔ امام دار قطنی کو اعتراض صرف بخاری میں تخریج پر ہے۔ اس حدیث کی صحت پر نہیں درجہ صحت پر ہے۔ امام بخاری کا اس کے برعکس یہ نقطہ نظر ہے کہ اس حدیث کی بخاری میں تخریج ان کی مقرر کردہ شرط کے مطابق ہے کیونکہ حسن بصری و ابو بکرہؓ کی باہم ملاقات ثابت ہے۔

اصول حدیث کی رو سے جب کوئی راوی یہ کہتا ہے کہ اس نے فلاں شخص سے یہ روایت سنی ہے یا اس نے یہ حدیث ہم سے بیان کی یا ہمیں بتائی یعنی راوی سمعت' حدثنا یا اخبرنا کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان تینوں الفاظ میں سے سمعت (میں نے سنا) کا درجہ سب سے زیادہ ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ راوی نے یہ حدیث بلا واسطہ اپنے استاد سے سنی ہے۔ اب چونکہ حضرت ابو بکرہؓ سے روایت کرتے وقت حضرت حسن نے یہ تینوں الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ عن ابی بکرۃ کہا ہے لہٰذا شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت حسن اور ابو بکرہؓ کی ملاقات نہ ہوئی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا راوی ہو۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے امام بخاری نے دو روایات ایسی بیان کیں جن میں سے ایک میں حضرت حسن نے سمعت اور دوسری میں اخبرنا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جو ان کی باہمی ملاقات کی بین دلیل ہیں۔ کتاب الصلح میں حضرت حسن بن علیؓ کے بارہ میں ایک حدیث امام بخاری نے بیان کی جو اس طرح ہے۔

قال الحسن سمعت ابا بکرةؓ یقول رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی الی جنبہ وھو یقبل علی الناس مرة وعلیہ اخری فیقول انی ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین

حسن فرماتے ہیں میں نے ابو بکرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حسن بن علی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حسن بن علی اور کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے میرا بیٹا سردار ہے۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت حسن بصری نے حضرت ابو بکرہؓ سے بلا واسطہ بنفس نفیس سنی تھی۔

اسی طرح کسوف کی ایک روایت "تعلیقا" امام بخاری نے بیان فرمائی جس میں اخبرنا کے الفاظ موجود ہیں۔

"موسیٰ بن اسمٰعیل عن مبارک بن فضالہ عن الحسن قال اخبرنی ابو بکرۃؓ"

موسیٰ بن اسمٰعیل مبارک بن فضالہ سے وہ حسن سے بیان کرتے ہیں کہ حسن نے کہا کہ ابو بکرہؓ نے مجھے یہ حدیث بتائی

یہ روایت بھی بتاتی ہے کہ حضرت حسن نے حضرت ابو بکرہؓ سے براہ راست حدیث کسوف سنی۔

جب بعض احادیث کی اسناد میں سمعت اور اخبرنی کے الفاظ موجود ہیں جو حضرت حسن کے حضرت ابو بکرہؓ سے سماع پر پر واضح دلیل ہیں تو اس کے بعد اگر حدیث زیر بحث میں حسن نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے سند کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اس لئے کہ اول تو تمام علماء احناف کے نزدیک تدلیس بالاتفاق کوئی جرح ہے ہی نہیں۔ دوم یہ کہ حسن بصری صرف حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت بیان کرنے میں مشہور ہیں جیسا کہ خیران میں ہے۔

ثقۃ مدلس عن ابی ہریرۃؓ

(حسن بصری) ثقہ ہیں ابو ہریرۃؓ سے تدلیس کرتے ہیں

اور یہ روایت چونکہ حضرت ابو ہریرہ سے نہیں بلکہ حضرت ابو بکرۃؓ سے مروی ہے لہٰذا یہ تدلیس کے شائبہ سے پاک ہے سوم یہ کہ بخاری اور مسلم کی تمام وہ روایات جو مدلسین نے عن سے بیان کی ہیں وہ سماع پر محمول ہیں لہٰذا:

یہ اعتراض کرنا کہ حسن بصری مدلس ہیں اور وہ ابو بکرۃؓ سے عن سے روایت کرتے ہیں قابل اعتناء نہیں اور دار قطنی کا دعویٰ بھی درست نہیں کیونکہ بخاری میں ان کا سماع حضرت ابو بکرہ سے ثابت ہے۔

امام دار قطنی کی طرح ابو الولید باجی نے بھی حضرت حسن کے حضرت ابو بکرۃؓ سے سماع کا انکار کیا ہے امام دار قطنی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ابو بکرۃؓ سے روایت کرنے ولے حسن نامی راوی حسن بصری ہیں مگر ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا راوی احنف بن قیس ہے۔ حسن بصری نے دراصل احنف بن قیس سے یہ روایت بقول امام دار قطنی سنی ہے نہ کہ ابو بکرۃؓ سے امام دار قطنی کے متعلق تو بتایا جا چکا ہے کہ ان کا موقف غلط ہے اور ان کے مقابلہ میں امام بخاری کا موقف صحیح ہے کہ حسن بصری نے احنف بن قیس اور ابو بکرۃؓ دونوں سے سماع کیا ہے۔ مگر ابو الولید باجی نے بڑی مضحکہ خیز اور عامیانہ بات کی ہے۔ ان کا ارشاد ہے' ابو بکرۃؓ سے روایت بیان کرنے والا شخص حسن دراصل حضرت حسن بن علیؓ ہیں نہ کہ حسن بصریؒ امام باجی کی یہ بات اس روایت کے صریح منافی ہے جو پہلے گذر چکی ہے کہ حسن فرماتے ہیں کہ میں نے ابو بکرۃؓ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن بن علی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ ابو بکرۃؓ حسن کو بتا رہے ہوں کہ حسن منبر پر تشریف فرما تھے۔ یہ بداھتا" غلط ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام باجی نے یہ موشگافی اس لئے کی کہ ثابت کریں کہ اس حدیث کی سند میں انقطاع نہیں جیسا کہ دار قطنی وغیرہ کا دعویٰ ہے مگر انہوں نے اس بات پر غور نہ فرمایا کہ اگر یہ حضرت حسن بن علی ہیں تو ان سے روایت کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والا راوی عوف تو ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا جب آپ نے وفات پائی۔ حضرت حسن بن علی کی وفات ۵۰ ھ میں ہوئی ہے جبکہ عوف بن ابی جمیلہ بصری ۵۹ ھ میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری تو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مداوی نہ صرف یہ کہ ہم عصر ہوں بلکہ ان کی ملاقات کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے جبکہ امام باجی کی بات مان لی جائے تو دونوں راوی ہم عصر ہی نہیں ہیں۔ جن دانشوروں نے اہل فارس کے متعلق حضرت ابو بکرہؓ کی روایت پر تنقید کی ہے اور انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ ابو الولید باجی نے بھی اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے ان کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ وہ یہ بھی بتاتے کہ امام باجی نے کیا گل افشانی کی ہے اور ان کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ پوری تحقیق کر کے بتاتے کہ حضرت حسن بصری کے حضرت ابو بکرہؓ سے سماع کے تنازعہ میں حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ یہ تو کوئی علمی تحقیق نہیں کہ محض بتا دیا جائے کہ امام دار قطنی کے نزدیک ان کا سماع ثابت نہیں جبکہ امام بخاری کے نزدیک ثابت ہے۔ اصل علمی تحقیق تو یہ تھی کہ بتایا جاتا کہ اس بحث میں دونوں طرف کے دلائل کیا ہیں۔ اور امام بخاری نے کس بناء پر یہ حدیث بخاری میں بیان کی ہے۔ مگر ان دانشوروں نے کتمان حق کیا۔ بخاری کے موقف کو نظر انداز کر کے علمی خیانت کا ارتکاب کیا تاکہ ان کی جہالت صیغہ راز میں رہے۔

غلط فہمی کی وجہ: یہ تاثر عام پایا جاتا ہے اور کم و بیش تمام حضرات نے یہ ہی بات کی ہے کہ ابو بکرہؓ کو یہ حدیث جنگ جمل کے موقعہ پر ہی کیوں یاد آئی اس سے قبل انہوں نے یہ کیوں نہ بیان کی امام دار قطنی بھی غالبا اسی بنیاد پر اس حدیث کو منقطع قرار دیتے ہیں کہ ابو بکرہؓ نے جنگ جمل سے پہلے یہ حدیث بیان کر کے اس جنگ میں اپنی عدم شمولیت کی وجہ بیان کی حالانکہ اس جنگ سے پہلے حسن بصری اور ابو بکرہؓ کی ملاقات ثابت نہیں کیونکہ ابو بکرہؓ تقریباً چودہ ہجری میں مدینہ منورہ سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے۔ جبکہ حسن بصری کی پیدائش ۲۲ ھ کے لگ بھگ ہے اور جب حسن بصری شہادت عثمان کے بعد بصرہ جا رہے تھے اور ابھی راستہ میں وادی قری میں ہی تھے کہ حضرت علیؓ بصرہ پہنچ چکے تھے اور بصرہ میں ان کی حضرت علی سے ملاقات ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری نے ابو بکرہؓ سے متعدد احادیث سنی ہیں وہ سب جنگ جمل کے بعد کی ہیں۔ جنگ جمل ۳۶ھ میں ہوئی ابو بکرہؓ کی وفات ۴۹ھ میں اور حسن بصری کی ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے حسن بصری تقریباً ۱۳ سال حضرت ابو بکرہؓ کے ساتھ بصرہ میں رہے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب انہوں نے ابو بکرہؓ سے حدیث زیر بحث سنی۔ اس تاریخی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے یہ امر بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ نے یہ حدیث جنگ جمل کے بعد بیان کی کہ انہوں نے خواہش کے باوجود اس جنگ میں شمولیت کیوں نہ اختیار کی۔ لہٰذا ان پر تہمت لگانا ہی غلط ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی سیاسی اہمیت کرنے کی غرض سے بیان کی یا ان کی طرف منسوب کی گئی۔ بخاری شریف میں مذکورہ مقامات پر اس حدیث کے کسی لفظ سے یہ بات اشارۃً بھی معلوم نہیں ہوتی کہ انہوں نے جنگ جمل سے پہلے یہ بات کہی۔ جبکہ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ انہوں نے اس جنگ کے بعد کسی موقع پر بر سبیل تذکرہ اس کو بیان کر دیا۔ لہٰذا جب یہ حدیث بیان بھی جنگ جمل کے بعد ہوئی ہے اور اس وقت حسن بصری حضرت ابو بکرہ کے پاس بصرہ میں موجود تھے تو امام دار قطنی کا خیال غلط ثابت ہوتا ہے اور امام بخاری کا درست اور اسی بنا پر ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے امام بخاری اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور اس کی بخاری میں تخریج کی جس میں آپ پوری طرح حق بجانب ہیں۔ حدیث کی سند متصل ہے اور حسن بصری کا ابو بکرہؓ سے سماع ثابت ہے۔

© rasailojaraid.com